

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اشارات

اسی اشاعت میں کسی دوسری جگہ جناب مولوی محمد عیسیٰ صاحب رضوی کا ایک غایت نامہ شائع کیا جا رہا ہے جو حال میں مدیر رسالہ کے نام وصول ہوا تھا۔ صاحب موصوف کی اس تحریر کو دیکھنے کے بعد یہ مناسب سمجھا گیا کہ اشاعت سے پہلے ان سے نظر ثانی کی درخواست کی جائے۔ چنانچہ انھیں لکھا گیا کہ جہاں تک مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کی ذات کا تعلق ہے، فتویٰ سے رجوع کرنے کے بعد یہ ضمیمہ ختم ہو چکا ہے۔ آپ مدیر رسالہ پر جس قدر چاہیں اعتراضات فرمائیں سخت سے سخت اعتراضات جو آپ کے امکان میں ہوں، آپ کر سکتے ہیں اور اطمینان رکھیے کہ وہ اس رسالہ میں بے تامل شائع کئے جائیں گے یا کیونکہ اس رسالہ کا ایڈیٹر جس طرح دوسروں کو تنقید سے بالاتر نہیں سمجھتا، اسی طرح خود اپنے آپ کو بھی نہیں سمجھتا۔ البتہ مولانا کے طرز عمل کو اب دوبارہ معرض بحث میں لانا بالکل نامناسب ہے اس حصہ کو خارج کرنے کے بعد اگر آپ کوئی اصولی بحث فرمائیں تو زیادہ بہتر ہے، اس سے بہر حال کچھ نہ بچے گا۔

لیکن صاحب موصوف نے ہماری اس درخواست کو شرف قبول نہ بخشا۔ اور اپنے اسی مطالبہ مصر رہے کہ اس تحریر کو مجتہد شائع کیا جائے۔ ان کا مقصد یہ ہے کہ انہوں نے اپنے دوسرے غایت نامہ میں ظاہر کیا ہے علمائے اسلام کی پوزیشن صاف کرنا اور اس غلط فہمی کو دور کرنا ہے۔ جو ترجمان القرآن کے مضمون کی وجہ سے عوام و خواص میں پیدا ہو چکی ہے۔ نیز اس نقصان کا ازالہ بھی پیش نظر ہے جس

کو وہ ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں۔

”آپ نے ابھی تک غالباً اس کا اندازہ نہیں فرمایا کہ آپ کے اس مضمون نے ہماری مختلف جماعتوں میں کس قدر اختلافات پیدا کر دیے ہیں۔ اور مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی جیسے قابل قدر عالم کی شخصیت عوام کی نظروں میں کس درجہ متاثر ہوئی ہے۔“

ان مقاصد سے ہم بھی متفق ہیں۔ علماء اسلام کی پوزیشن صاف کرنا، اور کسی اسلامی جماعت کے اختلافات کو رفع کرنا اور ایک قابل قدر عالم دین کی شخصیت جو عوام کی نظروں میں متاثر ہو گئی ہے اس کو بحال کرنا، یہ سب فی الواقع ضروری امور ہیں۔ اور اگر اس مضمون سے جو مولوی محمد عینی صاحب نے تحریر فرمایا ہے ایسے اچھے مقاصد حاصل ہو سکتے ہیں تو اس رسالہ کے صفحات اُن کی خدمت کے لیے مختار

میری ذات کے متعلق مولوی صاحب نے جن خیالات کا اظہار فرمایا ہے میں ان کی تردید کرنا نہیں چاہتا جن مقاصد کے لیے انہوں نے یہ سب کچھ لکھا ہے ان سے میں خود اتفاق رکھتا ہوں۔ اور جب ان مقاصد کا حصول ان کی رائے میں اسی قسم کی تحریر پر موقوف ہے تو مجھے اس کے خلاف کچھ نہ کہنا چاہیے۔ مزید براں جس شخص نے ”اپنے سے بالاتر ہستیوں پر بیجا اعتراضات کر کے“ نام وری حاصل کرنی چاہی، اُس کی جھوٹی اور ذلیل ناموری تو اسی قابل ہے کہ اس کو انہی صفحات میں بحال کر دیا جائے جن میں اسے حاصل کرنے کی کوشش کی گئی ہو۔ رہیں وہ غلط بیابانیاں، جو امور واقعہ کے خلاف اس مضمون میں کی گئی ہیں تو اُن کی تردید بھی غیر ضروری ہے۔ ان کی اصلاح کے لیے صرف اس قدر کافی ہے کہ ناظرین جادوی الاونی اور جادوی الآخرہ کے رچوں میں زیر بحث مضامین پھر ایک بار پڑھ لیں۔ میں صاحب مضمون سے بدگمانی نہیں کرتا۔ غالباً جوش کی حالت میں بعض ایسی باتیں بلا ارادہ ان کے قلم سے نکل گئی ہیں جو واقعات کے خلاف ہیں۔

ذاتیات سے قطع نظر کرتے ہوئے چند امور اس سلسلہ میں قابل گزارش ہیں۔

جس چیز کو غلط کہا گیا تھا اس کے غلط ہونے میں تو اب کسی شک کی گنجائش نہیں رہی، کیوں کہ خود ان حضرات نے جو اس غلطی کے مرتکب ہوئے تھے اس سے رجوع فرما لیا ہے۔ رجوع کسی صحیح فعل سے نہیں کیا جاتا۔ غلطی ہی سے کیا جاتا ہے۔

جس چیز کو بے احتیاطی کہا گیا تھا اس کے بے احتیاطی ہونے سے بھی اب انکار کی گنجائش نہیں رہی۔ اس لیے کہ فتویٰ سے رجوع کے جس قدر وجوہ ظاہر کیے گئے ہیں ان میں سے ایک وجہ بھی فتویٰ لکھنے کے بعد پیدا نہیں ہوئی، بلکہ تمام وجوہ فتویٰ لکھنے سے پہلے موجود تھے۔ یہ صحیح ہے کہ مفتیان کرام ان سے بے خبر تھے مگر جس طرح فتویٰ شائع ہونے کے بعد وہ ان سے باخبر ہوئے اسی طرح فتویٰ لکھنے سے پہلے بھی باخبر ہو سکتے تھے۔ اگر افتار سے پہلے وہ معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی جن کی بنا پر بعد میں فتوے سے رجوع کیا گیا، تو ظاہر ہے کہ نہ فتویٰ لکھا جاتا اور نہ یہ غمناک رہتا۔ اسی چیز کو بے احتیاطی سے تعبیر کیا گیا ہے اور یہ تعبیر غلط نہیں ہے۔

اب کلام جو کچھ ہے صرف اس امر میں ہے کہ اس غلطی کو غلطی اور بے احتیاطی کو بے احتیاطی کہا کیوں گیا؟ دوسری جماعتوں کے لوگ مذہبی اور قومی معاملات میں غلطی کریں تو ان کو ٹوکو اور ضرورتوں کو ہتھی کہ اگر امن و وطن بھی کر جاؤ تو منافع نہیں لیکن جب ہماری جماعت کے لوگ غلطی کریں تو خواہ وہ کسی ہی سخت غلطی ہو۔ اور اس سے مصالح امت کو کتنا ہی نقصان پہنچے، اس پر کچھ نہ کہو، کیونکہ وہ اسلامی بندگی مایہ ناز ہمتیاں ہیں، اول تو ان کے ہر فعل کو تمہیں صحیح سمجھنا چاہیے۔ اور اگر یہ نہیں ہو سکتا تو جو چیز تمہیں غلط نظر آئے اس پر تنقید اور نصیحت اور تنبیہ کرنے کی حرات نہ کرو کہ یہ گستاخی دے اونی ہے تمہیں تو اس پر پردہ ڈالنا چاہیے، بلکہ دوسروں کے سامنے اسے صحیح ثابت کرنے کے لیے پوری توجہ اور استدلال صرف کر دینی چاہیے لیکن اگر تم ایسا بھی نہیں کر سکتے اور تمہیں غلطیوں پر ٹوکنے کی بیاری ہی تو بدرجہ آخر اتنا تو ضرور ہونا چاہیے کہ اس گروہ کے بزرگوں کو کسی غلطی پر تنبیہ کرنے کے لیے دینی زبان

سے کام لیا جائے۔ لہذا اور الفاظ اور انداز بیان، ہر چیز میں یہ امتیاز نمایاں ہونا چاہیے کہ اس گروہ خاص کے لیے یہ زبان ہے، اور دوسرے تمام گروہوں کے لیے دوسری زبان۔

میں نہیں کہتا کہ یہ علماء کرام کا مطالبہ ہے۔ جو علماء صحیح معنوں میں علمائے حق ہیں، ان کا مرتبہ اس سے بہت بلند ہے کہ وہ افراد امت سے اس قسم کی گروہ بندی اور شخصیت پرستی کا مطالبہ کریں۔ مگر جس گروہ تبعین کی نمایندگی ہو لوی محمدی صاحب کر رہے ہیں۔ اس کی ذہنیت یہی ہے۔

مدرستہ کی آب و ہوا میں ایک مدت دراز سے یہی ذہنیت پیدا ہو رہی ہے اسی ذہنیت نے مسلمانوں میں فرقہ بندی اور طائفی مصیبت اور جھجکت جاہلیہ پیدا کی ہے، اور اسی کی بدولت امت مسلمہ ایسے اجزاء میں تقسیم ہو گئی ہے جن میں اتصال و اتحاد کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ مسلمانوں میں جتنے فرقے بنے ہیں اسی سبب سے بنے ہیں کہ ایک ایک جماعت نے اپنے اپنے اساتذہ اور ائمہ کو غلطی سے

پاک سمجھا، ہر خطا و صواب میں ان کی تقلید کی، ان کی باتوں پر تنقید کی نظر ڈالنا اور آزادی رائے کے ساتھ صرف صواب میں اتفاق اور خطا سے اختلاف کرنا گناہ سمجھا۔ اس طریقہ سے رفتہ رفتہ ہر جماعت گویا ایک قوم بن گئی، اس کے ائمہ کے اقوال ایک مستقل مذہب کی بنیاد بن گئے، ان کی حلفیہ بھی مسلمات قوم میں داخل ہو گئیں، اور اکابر کے کسی فعل یا ان کے بنا کردہ مذہب کے کسی ادنیٰ جز سے بھی اختلاف کرنا گویا مذہب اور جماعت کی مخالفت کا ہم معنی ہو گیا۔

اس فرقہ بندی کے بعد فرقوں کی جنگ شروع ہوئی۔ ہر فرقہ کے لوگوں نے اپنا یہ اصول مقرر کر لیا کہ جو کچھ ان کے اپنے دائرے میں ہے وہ تو تنقید سے بالاتر ہے، اور اس کی ہر چیز اس قابل ہے کہ اس کی حمایت و مدافعت کی جائے، اور جو کچھ اس دائرے سے باہر ہے اس پر نہ صرف تنقید اور نہ صرف تہمت چینی جائز ہے، بلکہ ملامت اور سب و شتم بھی کی جاسکتی ہے، اس کی صحیح باتوں کو بھی غلط ٹھیرایا جاسکتا ہے، اس کو ہر قسم کے الزامات بھی دئے جاسکتے ہیں، حتیٰ کہ اس کو دین سے خارج کر دینے

میں کسی کوئی مضائقہ نہیں ظاہر ہے کہ جب ایک فرقہ دوسرے فرقہ پر اس ذہنیت کے ساتھ حملہ آور ہوگا، اور دوسرا اسی ذہنیت کے ساتھ جوابی حملہ کرے گا تو احقاقِ حق اور قبولِ حق قطعی ناممکن ہوگا۔ جو کہ اس فرقہ بندی کی فضا میں نشوونما پاتے ہیں ان کی نظروں پر جماعت اور غیر جماعت کا امتیاز اور طائفی عصبیت کا اثر اس درجہ مستولی ہوتا ہے کہ وہ نہ کسی دلیل سے اپنے گروہ کی کسی غلطی کو تسلیم کر سکتے ہیں اور نہ اپنے دائرہ جماعت سے باہر کی کسی حق بات کو قبول کر سکتے ہیں اگر حق ان پر ظاہر بھی ہو جائے تو حسرتِ جاہلیہ ان کا دامن پکڑ لیتی ہے اسی لیے ان کے مناظرے ہمیشہ بے نتیجہ رہتے ہیں بلکہ ہر مناظرہ مزید تلخی اور آتشِ عصبیت کے مزید اشتعال پر ختم ہوتا ہے، کیونکہ ہر فریق اس تخیل کے ساتھ میدان میں اترتا ہے کہ اپنی ہر بات کی حمایت اور مخالفت کی ہر بات کی مخالفت ضروری ہے۔ اگر میں نے اس کی کوئی بات مان لی تو گویا میری اور میرے ساتھ میری پوری جماعت کی شکست ہو گئی، اور مخالفت فتح یاب ہو گئی۔ اس عصبیت کا ایک نتیجہ یہ بھی ہے کہ جو لوگ کسی خاص گروہ کے ساتھ انتساب رکھتے ہیں ان کی صحیح تنقید اور جائزہ پسند و وعظ میں بھی کوئی اثر نہیں ہوتا۔ دیکھنے والے دیکھتے ہیں کہ یہ شخص ایک گروہ کی تو کھلی ہوئی غلطیوں پر بھی خاموش رہتا ہے بلکہ حتی الامکان ان کی حمایت کرتا ہے اور اس کی زبان جب کھلتی ہے تو دوسرے گروہوں کی خطاؤں پر ہی کھلتی ہے۔ یہ رنگ دیکھنے کے بعد کیونکر ممکن ہے کہ اس کی کوئی بات دائرہ جماعت سے باہر کسی وقت کی حال ہو سکے۔ ایسے شخص کو تو حق پرست سمجھا ہی نہیں جاتا۔ وہ صداقت کا نہیں بلکہ ایک خاص جماعت کا نقیب سمجھا جاتا ہے، اور اس کی ہر بات طائفیت (پارٹی فینڈنگ) کے غبار میں گم ہو کر بے اثر ہو جاتی ہے۔

جو شخص قرآن و سنت کی تعلیم اور صلح کے طریقہ پر نظر رکھتا ہے وہ جانتا ہے کہ اسلامی ذہنیت ہرگز وہ ذہنیت نہیں ہے جس سے یہ فرقہ بندی اور طائفی عصبیت پیدا ہوتی ہے۔ قرآن تو ہم کو یہ تعلیم دیتا ہے کہ كُوْنُوْا قَوَّامِيْنَ يٰۤاَقْسَطِۤ اِهْلَآءِ اللّٰهِ وَكُوْنُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ اَوْدَالِدِيْنَ

وَالْأَقْرَبِينَ۔ تم انصاف پر قائم رہو اور خدا کے لیے شہادت دو خواہ وہ تمہاری اپنی ذات یا تمہارے
 ماں باپ یا رشتہ داروں کے خلاف کیوں نہ پڑے (النسارہ: ۲۰) وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدُوا وَأَلْوَكَانَ
 ذاقربی۔ اور جب بولو تو انصاف ہی کے ساتھ بولو خواہ وہ تمہارے عزیز قریب ہی کے خلاف
 کیوں نہ ہو (الانعام: ۱۹) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو یہ تعلیم دی ہے کہ محبت اور بغض اور تائید اور
 مخالفت جو کچھ بھی ہو خالص حق کے لیے ہو۔ اوثق عری الایمان الحب فی اللہ والبغض فی
 اللہ۔ من احب اللہ والبغض فی اللہ واعطى اللہ ومنع اللہ ونصح اللہ فقد استکم
 الايمان۔ اللین النصیحة للہ عزوجل۔ مسلمان کے لیے صرف ایک ہی پارٹی کافی ہے اور
 وہ اللہ کی پارٹی ہے۔ اُولَئِكَ حِزْبُ اللَّهِ اَلَا اِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ اس
 پارٹی کا اصل الاصول یہ ہے کہ تمہاری موافقت اور مخالفت تائید اور تردید دوستی اور جنگ اچھا
 اور اختلاف ہر چیز نفسانیت سے پاک اور انخاص یا جماعتوں کی الفت و عداوت سے قطعاً مبرا ہو
 خدا کے دیے ہوئے علم اور اس کی بخشی ہوئی فکر و نظر کو ان تمام رنگین عینکوں سے پاک رکھو۔ جو بات
 حق پاؤں سے بے تامل قبول کرو۔ جو غلط دیکھو اسے بے تکلف رد کر دو۔ جو سیدھے رستے پر جا رہا ہو اس کا
 دو۔ جو غلطی کا مرتکب ہوئے لاگ انصاف کے ساتھ اس کو خطا وارٹھیراؤ اور راہ راست پر لانے کی
 کوشش کرو۔ جس کی موافقت کرو صرف اس حد تک کرو جس حد تک وہ حق اور صداقت پر ہو۔
 اور جس سے اختلاف کرو صرف اسی حد تک کرو جس حد تک وہ غلطی پر ہو۔

یہی اسلامی ذہنیت تھی جس نے سید البشر سے کہلوا یا تھا کہ وَالذی نفسی بیداء لو انی فاطمہ
 بنت محمد سرق لقطع یدھا۔ خدا کی قسم اگر محمد کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو میں
 اس کا ہاتھ کاٹ دیتا۔ اسی ذہنیت نے فضل البشر بعد الانبیاء سے کہلوا یا تھا کہ فاذا رايتمونی
 قد استقمتم فاتبعونی وان زغت فقومونی۔ جب تم دیکھو کہ میں سیدھا چل رہا ہوں تو

میری پیروی کرو اور جب میں ٹیڑھا چلنے لگوں تو مجھے سیدھا کر دو۔ یہی ذہنیت تھی جس کے اثر سے ایک ننھی ٹھنٹی عورت نے امیر المومنین عمر فاروق کو بھرے مجمع میں مقدار مہر کی تعین پر ٹوک دیا کہ مَا ذَالِكَ لَكَ (تعم کو ایسا کرنے کا حق نہیں) اور پھر یہی وہ اسلامی ذہنیت تھی جس کی برکت سے پورے مجمع میں سے کوئی ایک نظر بھی اس بیچ میرز عورت کی طرف تعجب اور تضحیک کے ساتھ نہ اٹھی اور کسی نے پلٹ کر نہ دیکھا کہ دنیاۓ اسلام کی سب سے بڑی مایہ ناز ہستی کے مقابلہ میں یہ ”پرو مشد“ بننے کی جرات کس شامت زدہ نے کی ہے، اور کسی نے یہ گمان نہ کیا کہ یہ تعمیر ہستی اپنے سے لاکھ درجہ بالاتر شخص کو ٹوک کر نام دہی حاصل کرنا چاہتی ہے۔ یہ تو صرف اتنا کہ فاروق اعظم نے اس نئے سل بیوپھی اور جب اس نے اپنی تائید میں نص قرآنی پیش کر دی، تو اس شخص کو جو عرب و شام و فارس کا مطلق العنان بادشاہ، اور تمام اہل ایمان کا امیر اور علوم شریعت کا امام تھا، ایک ادنیٰ عورت کے مقابلہ میں بھی اپنی خطا کا اقرار کرتے ہوئے ذرا بھجک محسوس نہ ہوئی، اور نہ کسی بے عزتی کا احساس ہوا کیونکہ وہ باہلیت کی عزت نہ تھی، اسلام کی عزت تھی، جس کو کسی کی نصیحت سے ٹھس نہیں لگ سکتی اور جو اقرار خطا اور رجوع الی الصواب سے گھنٹی نہیں بلکہ اور زیادہ بڑھ جاتی ہے۔

ہر وہ شخص جس کو دین و ملت کی حقیقی خدمت کرنی ہو اس کے لیے لازم ہے کہ اپنے اندر یہی اسلامی ذہنیت پیدا کرے اس کو کسی پارٹی اور کسی گروہ کے ساتھ ایسا معاہدہ نہ کرنا چاہیے کہ ہر خطا و صواب اور ہر صعب و سہل میں اس کی موافقت کرے گا، اور نہ کسی کے خلاف یہ عہد کرنا چاہیے کہ تمام امور میں اس کی مخالفت کرے گا، اس کو قائم باقسط اور شہید شدہ ہونا چاہیے اس کو اوثق عری الایمان پر قائم ہونا چاہیے۔ اس کا مدلل بے لاگ ہونا چاہیے اس کی حق پرستی پارٹیوں اور اشخاص کی محبت و عداوت سے بالکل پاک ہونی چاہیے وہ صرف حزب اللہ کامبریں کہ رہے ہر صحیح بات کی موافقت کرے خواہ وہ کسی کی طرف سے پیش ہو۔ اور ہر غلط بات کی مخالفت کرے بلا

اس کے کہ اس کا پیش کرنے والا کون ہے جس حد تک کوئی شخص یا جماعت حق پر ہو وہ بھی اس کے ساتھ رہے اور جہاں کوئی راہ راست سے ہٹے وہ نہ صرف اس سے الگ ہو جائے، بلکہ اس کو حق کی طرف کھینچ لانے میں نصیحت کا پورا پورا حق ادا کر دے۔ مگر مخالفت ہی باہم موافقت دونوں میں اسے ٹھیک ٹھیک عدل اور حق پرستی کو ملحوظ رکھنا چاہیے تاکہ وہ خود کہیں ظالمین میں شامل نہ ہو جائے۔

یہ شخص کی پوزیشن کو وہ لوگ نہیں سمجھ سکتے جو طائفی عصبیت اور فرقہ بندی کی محدود دنیا میں ان کے لیے یہ سمجھنا بہت مشکل ہے کہ دشمنی حسد بدخواہی اور نفرت و غضب کے جذبات سے پاک رہ کر کبھی کسی کی مخالفت کی جاسکتی ہے اور محبت عقیدت ارادت، رشتہ داری اور تمام قریب ترین قلبی اطمینان کو قائم رکھتے ہوئے بھی کسی کی خطا پر تنبیہ کی جاسکتی ہے۔ وہ اپنی غلط ذہنی تربیت کی بنا پر اس طرز عمل سے قریب قریب باطل ناما نوس ہو چکے ہیں اس لیے وہ اسے غلط سمجھنے اور بری نگاہ سے دیکھنے پر مجبور ہیں مگر واقعہ یہ ہے کہ جس اختلاف کو رحمت سے تعبیر کیا گیا ہے وہ اسی قسم کا اختلاف ہے کیونکہ سوسائٹی کی علمی ترقی، اخلاقی بہارت، اور درستی معاملات کا انحصار تمام تر ایسے ہی اختلاف پر ہے جس قوم کے سرداروں میں خان نزہت فقوہ مونی کہنے والے نہ ہیں اور جس قوم کے افراد میں یہ اسپرٹ نہ ہے کہ خلوص نیت کے ساتھ ٹیڑھا چلنے والوں کو سیدھا کر دیں وہ قوم کبھی درست نہیں رہ سکتی۔

یہ چند سطریں صرف اس لیے لکھی گئی ہیں کہ آئندہ کے لیے اختلافی امور میں اس رسالہ کی پالیسی واضح ہو جائے۔ اگرچہ پہلے بھی لفظاً و عملاً اس امر کا اظہار کیا جا چکا ہے، مگر اب اظہار سے بڑھ کر اعلان کیا جاتا ہے کہ یہ رسالہ کسی پارٹی اور کسی فرقہ کا آرگن نہیں ہے۔ نہ کسی گروہ کو اس سے یہ امید رکھنی چاہیے کہ وہ دوسروں کے مقابلہ میں اس کے ساتھ کوئی اختصاص برتے گا۔ اس کی نظر میں سب مسلمان یکساں ہیں۔ مسلمان ہونے کی حیثیت سے کسی کو کسی پر ترجیح نہیں شخصی حیثیت سے ہر ایک واجب الاحترام ہے، مگر اس کے اعتبار سے جن امور میں کوئی شخص ہم کو حق پر نظر آئے گا، اس کی ہم تائید کریں گے اور جس امر میں

ہم اسے راہ صواب سے ہٹا ہوا دیکھینگے، صرف اسی امر کی حد تک اس سے اختلاف کریں گے، نہ اس لیے کہ اس پر تفوق حاصل کریں بلکہ صرف اس لیے کہ اس پر اور اس کے ہم خیال لوگوں پر راہ صواب روشن ہو جائے اور وہ اس کی طرف رجوع کر کے اپنی عاقبت درست کر لے۔

اس کے ساتھ یہ امر بھی لائق اظہار رہے کہ جس شخص کو ہم سے اختلاف ہو۔ اس کے لیے یہ صفحات کھلے ہوئے ہیں۔ اگر بحث علمی رنگ کی ہوگی اور عصبیت سے پاک ہوگی تو ہم بھی کھلے دل سے اس میں حصہ لیں گے اور اگر اس کا مقصد صرف اپنی کسی شکایت کو رفع کرنا ہوگا تو خواہ اس میں ہم پر کتنے ہی سخت حملے کیے جائیں، ہم اس کو بے کم و کاست شائع کر دیں گے اور حتی الامکان مدافعت سے پرہیز کریں گے۔ بے لاگ تنقید پر نجارات کا پیدا ہونا ضروری ہے۔ اگر ہم ان کے لیے خود کوئی راستہ نہ دیکھیں تو وہ دوسرے راستے نکالیں گے اور مسلمانوں کا بہت سا وقت اور روپیہ فضول پفلٹ بازی میں منسلک ہو گا۔ لہذا اس فائدہ کی خاطر کبھی کبھی رسالہ کے چند صفحات قربان کر دینا ہی مناسب ہے۔

افتاء کے باب میں مصالح امت کی رعایت ملحوظ رکھنے کا جو مشورہ دیا گیا تھا، اس کو محض سیاسی مصلحت "اور زمانہ سازی" قرار دیکر ناقابل اعتبار ٹھہرایا گیا ہے۔ دعویٰ یہ ہے کہ اسلاف کرام نے فتویٰ دینے میں کبھی سیاسی مصلحتوں کا لحاظ نہیں کیا۔ مگر قرآن اور سنت دونوں سے اس کی تردید ہوتی ہے۔ شریعت میں جن اہم ترین مصالح سے اعتنا کیا گیا ہے۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ اسلامی جماعت میں تفرق و اختلاف اور تنازع کا سدباب کیا جائے اور اجتماع قلوب و تالیف کی کوشش کی جائے، اور ایسے تمام اسباب کی روک تھام کی جائے جو مسلمانوں کو کسی فتنہ میں مبتلا کرنے والے ہوں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے بعد کعبہ کو بنائے ابراہیمی پر قائم کرنا ضروری سمجھتے تھے۔ مگر کس لیے اس سے باز رہے؟ صرف اس لیے کہ قریش اور اطراف و جوانب کے عرب قبائل ابھی اسلام میں حدیث العہد میں کہیں ایسا نہ ہو کہ حدم کعبہ کے معنی غلط سمجھیں اور کسی فتنہ میں مبتلا ہو جائیں۔ منافقین مدینہ کے کفر اور عداوت اسلام

حنور خوب واقف تھے۔ مگر کیوں ان کے قتل کا فتویٰ نہ دیا؟ صرف اس لیے کہ تنفیذ قلوب کا سبب نہ بن جائے۔ لوگ یہ نہ سمجھنے لگیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنے اصحاب کو ہلاک کر رہے ہیں۔ قیام مکہ کے زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے جہر بالقرآن سے کیوں منع کیا؟ صرف اس لیے کہ مسلمان جو پہلے ہی مصائب میں گرفتار ہیں اور زیادہ مظالم کے شکار نہ ہوں۔ جہاں کی حالت میں دشمن کے ملک سے متصل آقاؐ حدود سے کیوں منع کیا گیا؟ صرف اس لیے کہ شاید کسی ضعیف الایمان شخص کے دل میں دشمنوں سے جا ملنے کا خیال نہ پیدا ہو جائے اور اس طرح مسلمانوں کی جمعیت کمزور ہو۔ ظالم و جابر امرار پر خروج کرنے سے کیوں روکا گیا؟ صرف اس لیے کہ جمعیت اسلامی میں فتنے نہ برپا ہوں کہنے والا چاہے تو ان کے زمانہ سازی اور سیاسی مصلحت پرستی کہہ دے مگر ہم تو اس کو "حکمت" کہتے ہیں جو دراصل روح شریعت ہے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ شریعت میں منفی کو مستغنیٰ کی پابندی سے آزاد نہیں کیا گیا ہے۔ "منفی کافر یعنی ہے کہ جن الفاظ اور عبارات میں اس کے سامنے استغفار پیش کیا جائے اس کے لحاظ سے اور حدود کے اندر شریعت کا مسلہ پیش کر دے" اور "یہ تو کبھی مگن ہی نہیں کہ فتویٰ ہی دینے سے انکار کر دے۔"

قرآن و سنت اور سلف صالح کے عمل سے اس کی بھی تردید ہوتی ہے۔ منفی کے لیے جائز ہے کہ جس امر کے متعلق فتویٰ طلب کیا جائے اس کو چھوڑ کر کوئی ایسی بات بتا دے جو سائل کے لیے زیادہ نافع

ہو۔ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا مَاذَا يَنْفِقُونَ (کیا خرچ کیا جائے) قرآن میں اللہ نے فتویٰ دیا۔ مَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ خَيْرٍ فَلِلَّهِ وَاللِّدِينِ وَالْأَقْرَبِينَ الْآیہ۔ تم جو کچھ بھی خرچ کرو والد اور رشتہ داروں وغیرہ پر خرچ کرو۔ دیکھیے سوال تنفق کے متعلق تھا۔ جواب صرف سے دیا گیا جنوروں کو پوچھا گیا کہ یہ چاند گھنٹا بڑھتا کیوں ہے۔ اللہ نے جواب دیا يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْأَهْلِ قُلْ هِيَ

مَوَاقِبَتٌ لِلنَّاسِ وَالنَّحْلِ۔ یہ تم سے چاند کی کی بٹھی کے باب میں سوال کرتے ہیں۔ تم علم سعیت کی تعلیم دینے نہیں بھیجے گئے ہو۔ اس کو چھوڑ کر انہیں بتا دو کہ اس کی بٹھی میں تمہارے لیے کیا فائدہ ہے۔ اس کا

فائدہ یہ ہے کہ ہمیں اوقات معلوم ہو جاتے ہیں کہ یہ رمضان ہے، یہ عید آئی یہ حج کا موسم آیا۔
 مفتی کے لیے جائز ہے کہ جتنا سوال کیا جائے اس سے زیادہ جواب دے۔ حضور سے پوچھا گیا کہ
 حرم کیا پہننے۔ آپ نے جواب دیا "قمیص نہ پہننے، عمامہ اور سحیامہ نہ پہننے، موزے نہ پہننے۔ ہاں اگر جوتی
 نہ ہو تو موزے کو ٹخنوں تک کاٹ کر پہن لے۔" سوال صرف یہ تھا کہ کیا پہننے جواب میں یہ بھی بتا دیا کہ کیا
 پہننے اور یہ بھی کہ کیا نہ پہننے۔

مفتی کو جائز ہے کہ فتویٰ دینے میں اگر کوئی حضرت موس ہو تو فتویٰ دینے سے انکار کر دے حضرت
 ابن عباس سے ایک شخص نے ایک آیت کی تفسیر پوچھی۔ آپ نے فرمایا مجھے اندیشہ ہے کہ اگر میں نے تجھے اس
 کی تفسیر بتا دی تو کہیں تو کافر نہ ہو جائے۔ لہذا میں نہ بتاؤں گا۔ "عکرمہ کو ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ہذا آیت
 کی تھی کہ من سألک عما یغنیہ فلا تغتہ" جو شخص تجھ سے کوئی ایسی بات پوچھے جو اس کے لیے فائدہ
 مند ہو اس کو فتویٰ دو، اور جو فضول سوال کرے اسے فتویٰ نہ دو۔ عموماً سلف صالح کا قاعدہ یہ تھا کہ جب کوئی
 شخص مسئلہ دریافت کرتا تو وہ پوچھتے کہ کیا یہ واقفیش آیا ہے؟ اگر وہ اثبات میں جواب دیتا تو فتویٰ دے
 دیتے اور نفی میں جواب دیتا تو انکار کر دیتے تھے۔ عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ کا بیان ہے کہ میں نے میں صحابیوں
 کو دیکھا ہے ان میں سے ہر ایک فتویٰ دینے کی ذمہ داری سے بچتا اور سائل کو دوسرے مفتی کے پاس جانے
 کی ہدایت کر دیتا تھا۔ ابن عباس اور ابن مسعود دونوں کا قول امام مالک نے نقل کیا ہے کہ من افقی
 الناس فی کل ما یسئلونہ منہ لمحبتون۔ جو شخص لوگوں کے ہر سوال کے جواب میں فتویٰ دے وہ
 محبتون ہے۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ الجملۃ فی الفتویٰ نوع من الجمل والمخرق "فتویٰ دینے
 میں جلدی کرنا ایک قسم کی جہالت اور بے وقوفی ہے۔"

مفتی کے لیے ضروری ہے کہ جب مسئلہ تفصیل کا محتاج ہو تو تفصیل دریافت کیے بغیر فتویٰ نہ دے
 کیونکہ مفتی کبھی اپنی جہالت سے اور کبھی بدینتی سے پوری صورت حال کو بیان نہیں کرتا جس کی وجہ سے

فتویٰ غلط ہو جاتا ہے۔ بہت سے مستفتی ناجائز اغراض کے لیے باطل مسئلہ کو مزخرف قالب میں ڈھال لیتے ہیں اور جو مفتی محض سخن الفاظ کے قیدی ہوتے ہیں وہ دعوہ کہہ کر ایسے فتویٰ دے بیٹھتے ہیں جن سے بڑی مضرتیں مترتب ہوتی ہیں۔ اس کی ایک دلچسپ مثال وہ واقعہ ہے جو علامہ ابن تیمیہ کے زمانے میں پیش آیا۔ سلطان وقت نے اہل الذمہ کے لیے حکم دیا تھا کہ وہ مسلمانوں سے مختلف لباس پہنیں۔ ذمی اس پر ناراض ہوئے اور نہایت ہوشیاری کیساتھ انہوں نے استفتار کی عبارت اس طرح مرتب کی کہ ”کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس بارے میں کہ اہل الذمہ کی ایک قوم پر لازم کر دیا گیا تھا کہ وہ اپنے معتاد لباس کے بجائے دوسرے لباس پہنیں جس کے وہ عادی نہ تھے۔ اس سے ان کو راستوں اور کوچوں میں سخت ضرر پہنچا اور بد معاشوں کو ان پر جرأت ہوئی اور انہوں نے ذمیوں کو تانا اور ذلیل کرنا شروع کر دیا۔ کیا امام اب ان کو پھر وہی پہلا لباس پہننے کی اجازت دے سکتا ہے اور کیا ایسی اجازت دینا خلاف شریعت ہے؟“ جو علماء مستفتی کے پابند تھے اور حقیقت امر کی تحقیق کرنا اپنا فرض نہ جانتے تھے انہوں نے بے تکلف لکھ دیا کہ امام ایسا کر سکتا ہے۔ صورت استفتار بنائی ہی ایسی گئی تھی کہ محض اس کے الفاظ پر نظر رکھنے والا اس کے سوا کوئی اور فتویٰ نہیں دے سکتا تھا۔ جب ابن تیمیہ کے سامنے یہ سوال پہنچا تو انہوں نے قید الفاظ سے باہر کی دنیا پر نظر ڈالی اور امور ذمہ دہی دیکھ کر فتویٰ دیا کہ اہل الذمہ کو ایسے لباس پر باقی رکھنا ضروری ہے جس سے ان میں اور مسلمانوں میں تمیز ہو سکے۔ اس کے بعد مستفتی بار بار صورت سوال کو بدل بدل کر علامہ کے پاس لائے اور ہر مرتبہ علامہ نے وہی فتویٰ دیا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ تفصیل طلب مسائل میں ضروری معلومات حاصل کیے بغیر حکم بیان نہیں فرماتے تھے۔ اس قسم کی ایک دو نہیں بیسیوں مثالیں احادیث میں موجود ہیں۔ مگر ایسا کوئی قانون نہیں بنایا جاسکتا کہ فلاں فلاں مسائل میں فلاں فلاں تفصیلات دریافت کی جائیں۔

اس کا تعلق منفی کے تعلق فی الدین اور حکمت سے ہے۔ اسے خود سمجھنا چاہیے کہ کس امر میں تفصیل دریافت کرنے کی ضرورت ہے اور کس امر میں نہیں۔ اور کس مسئلہ میں کیا کیا امور دریافت کرنا صحیح فتویٰ دینے کے لیے ضروری ہے۔ جو شخص اتنی سمجھ نہ رکھتا ہو وہ منصب افتاء کا اہل نہیں۔

سب سے زیادہ حیرت انگیز بات جو اس سلسلہ میں بیان کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ ”ہیں تو آج کل کیا اس سے پہلے بھی کسی ایسے منفی کا نشان نہیں ملتا جس نے عبارت یا قول کو چھوڑ کر نیت پر فتویٰ دیا ہو“۔ اس کے بعد پوچھا گیا ہے کہ تمہارے پاس نیت کی پیمائش کا کوئی ٹیپ یا ایمان کے وزن کرنے کا کوئی اکیل ہو تو پیش کرو۔

مجھ کو کسی ایسے منفی کا نشان نہیں ملا جو نیت سے قطع نظر کر کے نفس قول یا محض صورت فعل پر حکم گاتا ہو۔ سب سے بڑے منفی کا فتویٰ تو یہ ہے کہ اننا الاعمال بالنیات وانما تکمل امری ما ذوی۔ شریعت کا قاعدہ کلیہ یہ قرار پایا ہے کہ نیت ہی سے فعل کی شرعی نوعیت متعین ہوتی ہے، حتیٰ کہ اگر کوئی انسان کوئی ایسا فعل کرے جو اپنی ظاہری صورت کے اعتبار سے حلال ہو، اور نیت اس کی حرام کی ہو تو فتویٰ حرمت کا دیا جائیگا۔ اور اس کے برعکس صورت فعل حرام ہو مگر نیت حلال لکھو تو فتویٰ حلت پر ہوگا۔ ایک شخص اپنے مال کو لے رہا ہے مگر سمجھے یہ رہا ہے کہ غیر کا مال ہے تو منفی کہے گا کہ وہ فعل حرام کا مرتجب ہو اور انحالیکہ صورت فعل ایسی ہے کہ اس پر حلت کا فتویٰ ہونا چاہیے تھا۔ ایک شخص تاریکی میں غیر عورت سے مباشرت کرتا ہے مگر سمجھے یہ رہا ہے کہ اس کی اپنی بیوی ہے۔ صورت فعل صریح حرام ہے مگر منفی کو کہنا پڑے گا کہ وہ فعل حلال کا مرتجب ہوا۔ ایک شخص بیع کا معاملہ کرتا ہے اور نیت اس کی عقد ربو کی ہے۔ کونسا منفی کہے گا کہ صورت بیع نے اس کو گناہ سے بچا لیا۔

دہا یہ سوال کہ نیت کی پیمائش کا ذریعہ کیا ہے، تو اس پر میں کوئی طویل فقہی بحث نہ کروں گا میرے پاس بیسیوں اقوال ایسے موجود ہیں کہ اگر نفس قول پر رائے قائم کی جائے تو صریح کفر کا حکم لگا دیا جائے۔ مگر قائلین کے نام سن کر آپ حکم کفر کے خیال کو بھی گناہ سمجھنے پر مجبور ہو جائیں گے۔
 لوائی ارفع من لواء محمد۔ بطشی اشد من بطش اللہ۔ جدنا مجرداً وقت
 الانبیاء علی ساحلہ۔ سبحانی سبحانی ما اعظم مثانی۔ کیا محض نفس اللفظ کا اعتبار کر کے آپ ان اقوال کے قائلین کی طرف کفر کو نسبت دینے کی جرأت کر سکتے ہیں؟ اگر نہیں تو وہ ٹیپ کہاں ہے جس سے آپ نیتوں کو ناپتے ہیں، اور وہ کونسا اکیل ہے جس میں یا ان کا وزن کرتے ہیں؟ کیا وہ قائلین کی عملی زندگی اور ان کے اعمال صالحہ اور ان کے دوسرے اقوال کے سوا کوئی اور چیز ہے؟ کہنے والے نے کہا تھا کہ۔

بہ نجبہ در پنجہ خدا دارم من چہ پروا سے مصطفیٰ دارم

ظالموں نے اس قول کے قائل کو کافر کہ دیا۔ مگر آپ کے تمام اکابر ان مکفرین کو ظالم کہتے ہیں اور قائل کا شمار اکابر اسلام میں کرتے ہیں۔ کیوں؟ کس ذریعہ سے انہوں نے معلوم کیا کہ قائل کی نیت اپنے اور خدا کے درمیان نبی کے واسطے سے انکار کی ہرگز نہ تھی؟ شیخ اکبر رحمہ اللہ ابن العربی کو آپ کے اکابر غواص بحر معرفت فرماتے ہیں۔ ان کی کتنی عبارتیں ایسی ہیں کہ اگر محض ظاہر الفاظ پر رائے قائم کی جائے تو ان لوگوں سے اتفاق کیے بغیر چارہ نہیں رہتا جنہوں نے شیخ کی تفسیر کی ہے۔ مگر کیوں ان کے اقوال کو مصروف عن الظاہر قرار دے کر ان کی تاویل کی جاتی ہے؟ اور قریب تر ایسے کیا مولانا اسماعیل شہید اور مولانا محمد قاسم رحمہما اللہ اور مولانا اشرف علی تہانوی متعنا اللہ بطول بقاء کی عبارتوں میں ایسے فقرے نہیں ہیں جنہیں کہہ کر وہ علماء کو تکفیر و تزییل کی گنجائش مل گئی ہے؟ نفس عبارت پر حکم لگانے کا جو اصول آپ پیش فرما رہے ہیں وہ

لال
 تو مکفرین کے لیے بہترین ہتھیار ہے۔ مگر یہ آپ ہی کے اکابر ہیں جو ان حضرات کی دوسری عباتوں سے آگے
 کر کے ان کی صحیح نیت متعین کرتے ہیں۔ اب آپ کو اختیار ہے۔ ان سے یتوں کا یہ ٹیپ اور بیان
 کا یہ آئیل چھین لیجیے۔

اسی بنا پر میں عرض کرتا ہوں کہ گروہ بندی مند پیدا کرتی ہے اور مند میں انسان حق و باطل
 کی تمیز کھو دیتا ہے۔ کس قدر شرم کی بات ہے کہ ایک گروہ کے لیے آپ کے نزدیک جو اصول
 حق ہوں، دوسرے گروہوں کے لیے انہی کو آپ باطل ٹھیرائیں۔